حضرت العلامہ خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

آداب الحدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد ۔

آج کا موضوع بحث حدیث کو قبول کرنے، سننے سنانے، اس کے پڑھنے پڑھانے اور اس کی طلب و بابت میں پیش نظر رکھے جانے والے آداب ہیں۔ گذشتہ موضوعات میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بایں جہت کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں، اور صحابہ کرامؓ کی شخصیات کریمہ بایں جہت کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں، حدیث کے موضوع ہیں۔ اب اس سے یہ بات سمجھنا آسان ہو گئی کہ حدیث کا ادب کیا ہے اور حدیث سننے سنانے اور پڑھنے پڑھانے کے آداب کیا ہیں۔

جو ادب حضورؐ کا ہے وہی آپؐ کی حدیث کا ہے۔

جو ادب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی آپؐ کی احادیث کا ہے اور جو ادب صحابہ کرامؓ کا ہے وہی ادب ان کے آثار و سنن کا ہے۔ جو عظمت اللہ رب العزت کی ہے وہی اس کے کلام کریم کی ہے سو ادب حدیث ادب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک پہلو ہے۔ اور آثار صحابہؓ کی توقیر و تعظیم فیض رسالتؐ ہی کی تعظیم و تکریم ہے اور ان کا امتثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل "و رزتزکیہ اصحاب" کا ہی ایک اکرام ہے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی و بے ادبی کفر ہے اسی طرح اُن کے ارشادات کی بے ادبی و گستاخی بھی کفر ہے، اور جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بے ادبی گمراہی کی انتہا ہے اُن کے آثار و ارشادات سے لاپرواہی بھی ایک کھلی ضلالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد اور ہر طریقے کو قبول کرنا ضروری ہے خواہ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری عقل اس کو سمجھنے سے قاصر ہو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات غلط ہو۔ آپ کے ہر ارشاد کے آگے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے بارے میں دل میں کسی قسم کا ثقل، بوجھ وغیرہ نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ ایمان قائم نہ رہ سکے گا۔ قرآن کریم میں ہے۔

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم
حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۝ (پ۵ ؛ النساء)

۵۴۰

ترجمہ: "قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اُٹھیں، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور (تیرے فیصلہ کو) قبول کریں خوشی سے۔"

ادب رسالتؐ قرآن پاک کی رو سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب دل سے بھی اس قدر ہونا چاہیئے کہ مجال ہے آپ کی کسی بات کے بارے میں تنگی آئے۔ قرآن کریم میں ہے۔

یا ایہا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ۝ (پ ۲۶: الحجرات)

ترجمہ: "اے ایمان والو اپنی آوازیں بلند نہ کرو نبی کی آواز سے اور آپؐ سے تیز آواز کے ساتھ نہ بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو۔ اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔"

اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت رسالت مآبؐ کا ادب بتایا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے امتیوں کو اپنے نبی کے آداب سکھائے ہیں کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر و احترام عزت و اعظام اس قدر کرنا چاہیئے کہ تم اپنے سارے کاموں کو خدا اور اس کے رسولؐ کے پیچھے رکھو۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ نبیؐ کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو جیسے ایک دوسرے سے بے محابا بات کرتے ہو۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز کرنا ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شور نہ کرو، اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف جھک جھک کر بات کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے، تعظیم واحترام کے لہجہ میں۔ ادب وشائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے لائق شاگرد اُستاد سے، مخلص مرید پیرومرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے پیغمبر کا رُتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھی جائے۔ مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپؐ کو تکدر پیش آئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت رائیگاں جانے کا اندیشہ ہے۔" [1]

---

[1] فوائد القرآن ص ۶۸۴۔

حضرت شیخ الاسلام کی اس تفسیر میں علماء دیوبند کا موقف روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ حضرات رسالت کا ادب واحترام کس طرح مانتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ نبی کا درجہ اپنے بڑے بھائی کا سا نہیں۔ باپ، استاد۔ پیرومرشد اور اپنے افسر وآقا ہر ایک سے بڑھ کر ہے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ بھی یہی تھا۔

"بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں، اور سارے مراتب اس سے نیچے ہیں۔" [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں کہ۔

"ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سارے جہان کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں" [2]

آپ اس سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھ آئے ہیں۔

"سب انبیاء واولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگوں نے ان کے بڑے بڑے معجزے دیکھے انہیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہی کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی" [3]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کسی پہلو سے کوئی گستاخی اور بے ادبی نہ ہونے پائے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو ایک بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں

"خطرہ اس لیے ہے کہ رسولؐ کی شان میں گستاخی یا اُن کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا احتمال ہے جو سبب ہے ایذاء رسولؐ کا" [4]

حضرات صحابہ کرامؓ اس آیۃ شریفہ کے نزول کے بعد بہت احتیاط سے آپؐ کے ساتھ کلام کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جیسے اکابر صحابہ کرامؓ بھی آپؐ سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے فہاباہ ان یکلماہ (بخاری شریف ج ۸ صـ۲ مصر) یہ دونوں حضرات بھی ہیبت کھاتے تھے کہ آپؐ سے کلام کریں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں دربار رسالتؐ کا عز واحترام اور توقیر واحترام کتنا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تقویت الایمان صـ۵۴ [2] تقویت الایمان صـ۵۵ [3] تقویت الایمان صـ۲۱

[4] معارف القرآن، جلد ۸ صـ۱۰۲۔

خدا کی قسم اب تو میں آپ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اسی طرح آہستگی سے بات کرتے تھے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن نہ پاتے جب تک کہ دوبارہ استفسار نہ فرماتے [1]

قرآن کریم آپ کی تعظیم و توقیر کا ان الفاظ میں حکم دیتا ہے۔

انا ارسلناك شاهداً ومبشراً ونذيراً ۝ لتؤمنوا بالله ورسوله وتعزروه وتوقروه

ترجمہ۔ "ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا، اور خوشخبری اور ڈر سنانیوالا تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین لاؤ اور اس کی نصرت کرو، اور اس کی عظمت قائم رکھو اور خدا کی پاکی بولو صبح و شام۔" (الفتح پ ۲۶ ع ۱)

یہ حکم خداوندی بتا رہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور آپ کا اکرام و احترام ہر بندہ مؤمن کے ذمہ لازم ہے یہ تعظیم ایمانی اور قلبی حدود میں تو ہے ہی کہ بدوں اس کے مومن ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا لیکن بیرونی حدود میں بھی تعظیم درکار ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کرے۔ آپ کو اپنوں جیسوں کی طرح نہ بلائے، آپ کی ہر پکار پر لبیک کہے، آپ کے ہر حکم کو اپنے لیے واجب العمل جانے، اس کے انکار کو کفر جانے اور اس کے ترک کو گناہ سمجھے۔ رہا موضوع بدنی تعظیم کا تو آپ کے لیے دست بستہ قیام رکوع اور سجدہ نہ کرے۔ بدنی تعظیم اتنی ہی کرے جتنی چھوٹے درجے کے انسان بڑے درجے کے انسانوں کی کرتے چلے آتے ہیں۔

بعد الوفات آپ کے ادب و احترام کی صورت

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے رُوبرو اونچی آواز سے کلام کرنا گویا اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے اسی طرح آپ کے اس دنیا سے روپوش ہونے کے بعد بھی آپ کے کلام یعنی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز نہ کرنی چاہیئے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانی رح لکھتے ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہیئے اور جو قبر شریف کے پاس ہو تو وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے نیز آپ کے خلفاء علماء ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہیئے" [2]

جس طرح بعد وفات، آپ کی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز کرنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح آپ کے تمام اعمال اور آپ کی سنتوں اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بھی بے ادبی اور گستاخی سمجھا جائیگا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر پ ۲۶ ص ۲۰۷ [2] فوائد القرآن ص ۶۸۴

اور یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا منسوخ نہیں ہوا۔ لہٰذا سنتوں سے آگے بڑھنا اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بعد وفات بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حالتِ حیات میں تھا اس میں کوئی فرق نہیں[1]

حضرت قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہے جیسا کہ حیات میں تھا اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔"[2]

آپ کی مسجد میں آواز بلند نہ کرے

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے کلام کرتے سنا تو آپ نے ان کو منع فرمایا کیونکہ اس حالت میں آپ کا ادب و احترام قائم نہ رہ سکتا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بلند آواز سنی اور دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ مسجد مقدس میں دو اشخاص آواز بلند کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا تم لوگوں کو پتہ نہیں کہ تم کہاں بیٹھے ہو۔ فرمایا کہ یہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت دونوں اہل طائف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ باہر سے نہ آئے ہوتے تو میں تمھیں دُرّوں کی سزا دیتا[3]

لو کنتما من اهل المدینة لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: "اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمھیں بدنی سزا دیتا تم حضورؐ کی مسجد میں اپنی آواز بلند کر رہے ہو"

(مشکوٰۃ شریف، رواہ البخاری و فی روایتہ ان مسجدنا ہذا لا یرفع فیہ الصوت)

فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں مناط کلام مسجد نہیں بلکہ مسجد بایں نسبت ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضۂ انور ہے اور اس میں آواز بلند کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام و احترام کے خلاف ہے۔

آداب حدیث قرآن کریم کی رو سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کا فوری حق یہ ہے کہ جس وقت اور جدھر بلائیں سب اشغال چھوڑ کر اُدھر ہی پہنچ جائے۔ حدیثِ رسولؐ کوئی ایسی بات نہیں کہ اس پر فوری دھیان نہ کیا جائے حدیث کا پہلا ادب یہ ہے کہ اس پر فوری توجہ دی جائے دیر نہ کرے۔ قرآن کریم یہ آداب یوں سکھاتا ہے۔

---

[1] مدارج النبوۃ جلد ا ص۵۱۲ [2] معارف القرآن جلد ۸ ص۱۰۱ [3] مواہب الرحمٰن پ۲۶ ص۲۲۲

یا ایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔

ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جس وقت وہ بلائیں اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔" ؎۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (عمل یا بلاوا) ایسی چیز نہیں جس سے مومن ایک لمحہ کے لیے بھی پہلوتہی یا رُوگردانی کرسے۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر فوراً لبیک کا حکم دیتا ہے اور حضورؐ کا بلانا صرف آپ کا ہی بلانا نہیں، خدا کا بلانا بھی ہے۔ سو قرآن کریم کی روشنی میں حدیث رسولؐ کا ادب یہ ہے کہ اس کے حکم پر فوراً لبیک کہی جائے۔ اسی میں مومن کی زندگی ہے اور اس کے آداب میں سے ہے کہ مومن حدیث کے سامنے مطیع و منقاد ہو جائے کہ اے آقا میں بسروچشم حاضر ہوں۔ اب یہ بات مومن کی مرضی پر نہیں کہ حدیث کو تسلیم کرے یا نہ کرے یا اس سے کسی طرح پیچھے ہٹے۔ ہاں حدیث کے حدیث ہونے میں شک ہو تو یہ ایک علمی اختلاف ہوگا۔ حدیث کے ادب واحترام سے سرتابی نہ ہوگی۔

ادب حدیث خود حدیث کی رُو سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں بیٹھے کوئی حدیث بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص (کوئی اعرابی) آیا اور اس نے آپؐ کے دورانِ بیان ہی ایک سوال کر دیا۔ آپؐ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اور حدیث برابر بیان فرماتے رہے جب بات پوری کر چکے تو فرمایا وہ شخص کہاں ہے جو قیامت کے بارے میں پوچھ رہا تھا .... الخ ؎۲

آپ کے طرزِ عمل سے حدیث کے احترام کا پتہ چلا کہ حدیث جب بیان ہو رہی ہو تو اور کوئی بات درمیان میں نہ لانی چاہیئے گو وہ بات خود دین کی ہی کیوں نہ ہو۔ پوری حدیث آگے اس بحث میں آئے گی کہ حدیث کے بیان کے دوران کسی اور طرف توجہ نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ میں ایک دفعہ ان کے حالات کے تفاوت سے غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک کے حالات پیشِ نظر اس کے لیے مقدار مختلف تھی اور اسی لیے آپ نے اسے کسی اور کے سپرد نہ کیا تھا بلکہ خود ہی تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک ذوالخویصرہ تمیمی نے کہا حضورؐ! عدل فرمایئے برابر تقسیم کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ویلک من یعدل اذا لم اعدل "تیری بربادی! میں عدل نہ کرونگا تو اور کون کرے گا" ؎۳

؎۱ پ۹ الانفال۔ ؎۲ صحیح بخاری جلد ۱ ص۱۴ ؎۳ ایضاً ص۹۱/۲، ص۱۰۲۴/۲، ص۵۰۹/۱، ص۶۷۴/۱۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا" انا امین من فی السماء یاتینی خبر السماء صباحا ومساء" "میں تو آسما والے کا امین ہوں صبح وشام میرے پاس آسمانی خبریں آتی ہیں۔"

یعنی آسمانی باتوں میں تو مجھے امین سمجھا جاتا ہے تو کیا ان دنیوی امور میں کوئی بات خلاف امانت ودیانت مجھ سے ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ذوالخویصرہ کے اس اعتراض پر آپ ناراض ہوئے۔ آپ نے اس شخص کے بارے میں یہ بھی فرمایا۔

انہٗ یخرج من ضئضئ ھذا قوم یتلون کتاب اللہ رطباً لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ۔

ترجمہ: اس کی پشت سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کی تلاوت میں ہر وقت رہیں گے لیکن تلاوت ان کے حلق سے نیچے اُتر کر (دل تک) نہ جاسکے گی، دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

آپ کی یہ پیشگوئی بالکل درست نکلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بے ادبی کا ارتکاب کرنیوالا خوارج کا مورث اعلیٰ بنا۔ نبی کی بات کے سامنے یہ جسارت بالکل ناجائز تھی، نبی کی تو شان یہ ہے کہ اس کے سامنے آپس میں بھی کوئی جھگڑا نہ ہونا چاہیئے۔ جھگڑا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یا آپ کی طرف توجہ نہیں کسی کو آپ کی حدیث کو قبول کرنے میں تردد ہورہا ہے۔

سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔

ولا ینبغی عند نبیّ تنازع [1] ترجمہ: "اور نبی کے پاس تنازع نہ ہونا چاہیئے"

بلکہ اگر کہیں آپس میں اختلاف ہوجائے تو اس کا فیصلہ نبی کی ذاتِ اقدس سے لینا چاہیئے۔ اس اختلا کو ہی آپ کی طرف منسوب کردینا کسی بدنصیب کی فکر ہی ہوسکتی ہے۔

آداب حدیث عمل صحابہؓ کی رو سے

جن حضرات نے حلقہ نبوت میں تربیت پائی تھی ان سے زیا حدیث کا احترام کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ حضرت عمرو بن میمون تابعی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تھے آپ ایک رات کا واقعہ نقل کرتے

فلما کان ذات عشیۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فنکس قال فنظرت الیہ فھو قائم ازرار قمیصہ قد اغرورقت عیناہ وانتفخت اوداجہ قال" اودون ذالک

[1] بخاری جلد ۶ صہ۱۱۔

او فوق ذالک[۱] او قریباً من ذالک او شبیناً بذالک (سنن ابن ماجہ ص۳)

ترجمہ: ایک رات آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا آپ حضورؐ کی حدیث بیان کرتے سرنگوں ہو گئے تھے پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں بٹن کرتے کے کھلے ہیں آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں، رگیں پھولی ہوئی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ذرا کم یا کچھ زیادہ یا اس کے قریب قریب یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی تھی۔ اس حلقہ ارشاد میں جب حدیث رسول کا اتنا ادب تھا کہ مجال ہے کوئی بات خلاف مرادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی زبان سے نکلے، تو ظاہر ہے کہ ہماری مجالس اور ہمارے مدارس میں بھی حدیث بڑے ادب واحترام سے روایت کی جانی چاہیئے۔

صحابہ کرامؓ جنہوں نے حلقۂ نبوت میں تربیت پائی تھی وہ حدیث کے احترام میں جھکے جاتے تھے۔ جب حضورؐ کی کوئی حدیث سامنے آتی وہ جھٹ اپنی بات چھوڑ دیتے۔ ایک دفعہ حضرت کعب احبار اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما میں کسی موضوع پر اختلاف ہو گیا۔ کعب احبارؓ کی تورات کی ایک یادداشت صحیح نہ تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف روایت کر رہے تھے۔ حضرت کعبؓ نے جب تورات کھولی تو روایت ابوہریرہؓ کو درست پایا۔ فوراً پکار اٹھے صدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرتؐ نے سچ فرمایا [۱]

حضرت ابوہریرہؓ کا صحت حدیث پر اصرار اور اس کے مقابلہ میں تورات کی بات کو نہ ماننا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ صحابہؓ کے ہاں حدیث کی اہمیت اور اس کا ادب کتنا تھا۔

حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ "میں ابن مسعودؓ کے پاس ایک سال تک برابر آتا جاتا رہا مگر ان کو کسی وقت بھی بے تعظیمی سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے نہیں سُنا اور جب کہ ایک دن بے خیالی میں ان کی زبان پر یہ جاری ہو گیا تو وہ اتنے روئے کہ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ پسینہ پسینہ ہو گئے۔[۲]

حضرت انس بن مالکؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی حدیث نقل کرتے تو محض اس لیے کہ نادانستہ طور پر کوئی بات خلاف مراد مصطفےٰ زبان سے نہ نکل گئی ہو۔ آخر میں کہدیتے "او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"[۳] (جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو) یعنی میری بات اگر کسی پہلو سے صحیح نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تو یقیناً صحیح اور برحق ہے وہی میری بات رہنے دو۔

آداب الحدیث عمل ائمہ کی رُو سے

افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) کا حدیث کے لیے احترام ملاحظہ ہو: "حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک

---

[۱] سنن نسائی، جلد ۱، ص ۲۱ [۲] مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۱۵ [۳] سنن ابن ماجہ ص ۳

شخص حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس آیا اور اس نے ان سے ایک حدیث دریافت کی تو وہ ایک پہلو پر لیٹے ہوئے تھے فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔ اس شخص نے کہا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تکلیف اٹھائیں اور اٹھ کر بیٹھیں انہوں نے فرمایا میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ پہلو پر لیٹے لیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ادب حدیث ملاحظہ ہو۔

"جو لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس آتے تو پہلے ان کی باندی باہر آتی اور پوچھتی کہ تم شیخ سے مسائل شرعیہ پوچھنے آئے ہو یا حدیث؟ اگر لوگ کہتے کہ ہمیں مسائل دریافت کرنے ہیں تو امام مالکؒ فوراً باہر تشریف لے آتے اور ان کو مسائل کا جواب ارشاد فرماتے اور اگر لوگ کہتے کہ ہم لوگ حدیث معلوم کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ تشریف لے جاتے غسل کرتے اور بدن پر خوشبو ملتے اور نئے کپڑے پہنتے اور اپنا چغہ جو سیاہ یا سبز ہوتا زیب تن کرتے اور عمامہ سر پر رکھتے اور ایک تخت بچھایا جاتا، پھر باہر تشریف لاتے تخت پر خشوع و خضوع سے بیٹھتے بخور جلایا جاتا جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہوتے اسی ہیئت کے ساتھ بیٹھے رہتے۔

لیجئے حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) کا حال بھی ملاحظہ ہو۔

جب ان کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی قرأت کے وقت خاموش رہنا اسی طرح فرض ہے کہ جس طرح کہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام فرمانے کے دوران خاموش رہنا اور سننا فرض تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مقام رسالت کا ادب ہے اسی طرح حدیث رسالت لائق احترام ہے آپ کی احادیث کریمہ کا ادب انتہائی لازمی ہے جہاں حدیث پڑھی پڑھائی جاتی ہو وہاں اونچی آواز نہ کرے اور خلافِ ادب ذرا شور و شغب نہ کرے آداب حدیث میں یہ پہلا ادب ہے۔

حضرت ابو ابراہیم یحییٰ فرماتے ہیں: "ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے حضورؐ کا ذکر کیا جائے تو وہ خشوع و خضوع کا اظہار کرے اور بدن کو ساکن کرکے جنبش تک نہ دے اور خود پر ہیبت و جلال طاری کرے۔ گویا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوتا اور اس وقت جو ادب فرض تھا وہی ادا کرتا تو اس وقت بھی ویسا ہی ادب کرے۔"